BA Part-III
Paper - VIII

شاد عظیم آبادی

سید علی محمد شاد کی ولادت ۸ جنوری ۱۸۴۶ء کو ہوئی اور انہوں نے ۷ جنوری ۱۹۲۷ء کو اس جہان فانی سے رحلت فرمائی۔ اس حساب سے انہوں نے اپنی عمر کی ساٹھویں یا آٹھویں ہی منزل میں اپنی تشنگی پر لکھا تھا۔

جو آرام اس تشنگی کو تو دے — سنگ آنت سے ان کا مر ہوئے

اس لحاظ سے ان کی شاعری کی عمر ۷۲ سال قرار پاتی ہے۔ شاد نے طویل عمر پائی اور انہوں نے ساری عمر مطالعہ اور ادبی تخلیق میں صرف کر دی۔ ان کی بہت سی شعری اور نثری تخلیق دستبرد زمانہ کی نذر ہو گئیں۔ اس طویل مدت کے لحاظ سے ان کا جو ادبی سرمایہ دستیاب ہے وہ بہت کم ہے۔ اور یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ ان کے علمی ذخیرے کا خاصہ حصہ برباد ہو گیا۔ حضرت شاد خود فرماتے ہیں کہ

ضائع ہوئی بالکل شوق عشق جو غزلیں — المختصر اب شاد کا دیوان یہی ہے

بہر حال یہ حقیقت ہے کہ فنکار کی حیثیت سے وہ ۷۲ سال گیسوئے اردو سنوارتے رہے۔ اس سلسلے میں سید فصیح الدین بلخی نے "نقوش شاد" میں یہ لکھا ہے:

"ایک بار ۱۹۰۵ء کے لگ بھگ محلے کے مدرسہ کی مسجد کے سامنے میدان میں جلسہ مشاعرہ منعقد ہوئی تھی۔ اس میں آپ نے غیر طرح غزل کے مقطع میں یہ شعر پڑھا تھا کہ

خدا کا شکر ہے اس طویل عمر پر شاد — پچاس سال کی اب شاعری ہماری ہے

شاد عظیم آبادی اردو شاعری کے روایتی انداز فکر اور پیرایہ بیان سے مطمئن نہ تھے۔ ابھی عمر کی چند برسوں ہی منزل میں تھے کہ اپنے حلقہ احباب کے دو افراد محمد اسمٰعیل بنگالی اور پنڈت کالی چرن کی مدد سے انگریزی اور سنسکرت کی شاعری کو سمجھنے کی محنت شروع کر دی۔ اس طرح ان کے ذہن کے دریچے کھلنے لگے۔ وسیع النظری اور بلند خیالی کے اثرات ذہن رسا پر مرتسم ہوئے۔ شاد کی شعوری کوشش کے نتیجے میں ان کی شاعری کے اندر کچھ نئے میلانات اپنی جھلک دکھانے لگے۔ قدیم و جدید کی بحث ہر دور میں رہی ہے۔ روایتی انداز فکر اور پیرایہ بیان کے قدردانوں کا شاد کی شاعری کے نئے تجربوں کا پسند نہ کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ نکتہ چینیاں شروع ہو گئیں۔ خردہ گیروں نے اودھم مچائی۔ ان ہنگاموں کا ایک سبب اور بھی تھا۔ شاد کی ایک تصنیف "نوائے وطن" ۱۸۸۴ء میں شائع ہوئی۔ اس کے بعض ناپسندیدہ مندرجات اور سخن ہائے گفتنی کے سبب فروری ۱۸۸۵ء میں اہل عظیم آباد کے ایک حلقہ نے "البنچ" نامی ایک ہفت روزہ پرچہ پنجشنبہ کو جاری کیا۔ پہلا شمارہ ۵ فروری ۱۸۸۵ء کو منظر عام پر آیا۔ اس ہفتہ وار کا نام "البنچ" اس لیے رکھا گیا کہ حضرت شاد اپنے نام کے ساتھ "العبد" لکھا کرتے تھے۔ العبد کی ترکیب لوگوں کو پسند نہیں آئی۔ ان کے خیال میں شاد کی یہ جدت نامعقول تھی۔ میرے خیال میں العبد کی ترکیب جدید نہیں تھی۔ شاد سے قبل وزیر علی عبرتی اپنے نام کے ساتھ العبد تحریر فرماتے تھے۔ "مرآت السعادت" مطبوعہ ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۸۰ء کے سرورق پر "جناب العبد وزیر علی عبرتی" درج ہے۔

اعتراض اور نکتہ چینیوں کے سبب کچھ شاعری میں شاد کے نئے تجربوں اور مذاق سخن کی رفتار سست ہو گئی۔ وہ سخت ذہنی الجھن اور کوفت میں مبتلا ہو گئے۔ نئے اور پرانے میلانات کی کشمکش نے شاد کے دل و دماغ کو ہمیشہ مضطرب رکھا۔ لیکن اس کے باوجود شاد کی خود اعتمادی ملاحظہ کیجئے:

اے خزاں خوب مٹا لے تو یہ پھول ابھریں گے — تیرے موسم کو بدل دے گی ریاضت میری

ہیں وہ موتی ترے دامن میں اے خاک بہار — آج تک دے نہ سکا ایک بھی قیمت میری

حضرت شاد کا کلیات تین حصوں میں شائع ہو گیا ہے۔ پروفیسر کلیم الدین احمد نے شاد کی تخلیقات شعری کو جمع کر کے ساتھ

شاد عظیم آبادی

ساتھ اختلاف نسخ کو پیش کرنے میں جو محنت کی ہے وہ بے حد قابل قدر ہے۔ انہوں نے سوانح اور کلام شاد سے متعلق ایک فاضلانہ مقدمہ بھی تحریر کیا ہے جو کلیات کے حصہ اول پر ہے۔

شاد عظیم آبادی سماجی ترقی کے نئے امکانات کو خوش آمدید کہنا بھی اپنا فرض سمجھتے تھے۔ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی مجلس استقبالیہ کے خطبہ میں انہوں نے سماجی اور ملکی ترقی کے روشن امکانات کی بشارت دی ہے۔ ان کے شعور کی گرمی اور تابانی ان کے اشعار میں موجود ہے ~

کشمکش ہے خوف و رجا کی منزل، اس کام پر کو سامنا ہے
یہیں سے مٹتے ہیں بہت مسافر، یہی دوراہا تو ہولا ہے
کھلی ہوئی بھی ہیں جن کی آنکھیں، ٹٹولتے ہیں وہ جام جم کو
یہاں کا ہر رند ہے نرالا کہ جاگتے پر بھی سو رہا ہے

حضرت شاد اپنے دولت کدہ پر اکثر مجلس مشاعرہ منعقد کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ شہر کے اہم مشاعروں میں شریک ہوتے تھے اور اپنے کلام سے محظوظ فرماتے۔ شاد کی زندگی کے آخری پچیس سال کے چند مشاعروں کے بارے میں درج ذیل معلومات دلچسپ ہیں یہ وہاں پہلا مشاعرہ ۱۸۸۲ء میں ہوا تھا۔ اس کے لئے ایک مصرعہ طرح کا اعلان ہوا تھا۔ جناب بادشاہ نواب کی غزل کا مطلع اور مقطع ذیل میں ہے ~

کھینچے گلاب تو نے گل پر آزاد کمان تک   مایوس نہ ہو زینت سے بیمار کہاں تک
گو جانے پہ آمادہ ہے سنتا نہیں کہنا   اے عشق اب کھینچے اصرار کہاں تک

اس مشاعرہ میں شاد عظیم آبادی کی شرکت نہیں ہوئی اور دوسرے مشاعرے میں بھی شاد عظیم آبادی کی شرکت کا ثبوت نہیں ملتا ہے لیکن تیسرے مشاعرہ میں جو ۱۹۰۲ء میں منعقد ہوا اس میں شاد عظیم آبادی شریک ہوئے اور انہوں نے اپنی غزل پیش فرمائی۔

شاد اپنی غزلوں میں ہر طرح کے استعارے لاتے ہیں۔ مگر وہ رموز معرفت مے و میخانہ کی اصطلاح بیان کرتے ہیں جس سے صوفی شعراء معرفت الٰہی مراد لیتے ہیں۔ شیعہ شاعروں نے بھی لفظ آل محمد کے لئے استعمال کیا ہے شاد نے دونوں معنوں میں استعمال کیا ہے ~

کس کے پاس ساغر کبھی نہ کھینچا شاد   میرے خدا نے مجھ کو دراز دست کیا

اہل تصوف اپنے مقصد کے اظہار کے لئے مئے و میخانہ کے اصطلاحات بطور استعارہ نہیں کی فکر و فن کے دائرے میں پورا میخانہ سجا دیا۔ پیر مغاں اور پیر میخانہ کا لقب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا۔ حضرت علی جو شاد کے عقیدے کی رو سے امام الاولیاء ہیں، اس لئے ان کو ساقی کہا اور دیگر اولیاء کو میخوار ہو سے مطلب مرشد مراد لیا۔

لے کے خود پیر مغاں ہاتھ میں مینا آیا   مے کشو شرم کہ اس پر بھی نہ پینا آیا
پیر مغاں کا بھی ادب یوں گیا وہ مئے پرست   جس نے بھرے سبو کو خود رخ خاک سے لگا دیا

عام طور پر شاد نے اپنی غزلوں میں صرف ایک عاشق دل سوختہ کے ہی واردات قلب نہیں بیان کیے ہیں ایسے انسانوں کے دل کی دھڑکنوں کو بھی گنا ہے جو کبھی ایوان تغزل میں بار یاب نہیں ہو سکے تھے۔ ملاحظہ ہو ایک پیر کہن سال کا جذبہ اپنے دوستوں اور عزیزوں کی بے مہری سے مایوس کیا ہے۔

کیا غلط زعم ہے بعد اپنے کریں غم اپنا   ہاتھ ملتا ہوں کرے اس ماتم اپنا
کوئی ماتم کرے میرے لئے کیوں   سر اپنے کی یہ اٹھا جائے کیوں

حقیقت واقعہ یہ ہے کہ شاد کی وسعت پسندانہ آفاقیت نے اردو غزل کا معیار بلند نہیں کیا بلکہ اس کا مزاج ہی بدل دیا۔ انہوں نے ذوق نظر کو بلندی پر پہنچنے کا حوصلہ دیا۔ انہوں نے فکر کی سطح پرستی کو گہرائی میں اترنے کی ترغیب دی۔ انہوں نے اپنے عہد کی مخصوص فضا کو جو جاذب کے

BA Part III
Paper VIII

شاد عظیم آبادی

حقیقت کار سے گری ہوئی تھی۔ ایک الوہی تخیل سے گوشت آشنا بنایا۔ یہ پہلا عظیم احسان شاد کا اردو شاعری پر ہے۔ ان کا دوسرا احسان یہ ہے کہ انہوں نے غزل کو حسن صنعت گری کے گورکھ دھندے سے نجات دلائی اور اسے سانس لینے کا موقع دیا۔ صنعت ایہام اور رعایت لفظی کی جو حسین دلکشی پیدا ہوئی تھی اس حسین دلکشی کا انہوں نے عملاً گوشہ گوشہ کے معنی کا لبادہ بنا دیا۔ لکھنؤ اور دہلی کا دبستان عروض سخن کے خارجی خط و خال میں گم تھا اسے شاد عظیم آبادی نے اس کا داخلی حسن دکھایا۔

تری یاد کناں میں کبھی پازیب کے دانے — ٹوٹے کہیں زنجیر دیوانہ ہمارا
جو اس کے کان بند سے دبکے لگتے ہیں — تو مہر و ماہ کے ماتھے ٹھنکنے لگتے ہیں

شاد عظیم آبادی کا تیسرا بڑا احسان ہماری شاعری پر یہ ہے کہ انہوں نے صنف مرثیہ میں ایک حکیمانہ اور عارفانہ رنگ بھرا۔ امتحان گاہ کربلا کی روحانی عظمت اور حسین کے ذہنی کشمکش اور خاندان رسالت کے کردار میں صبر و استقامت کی جگہ ان کی منفعلانہ شیون و شین کے تذکرے سے جو اخلاقی اثر ضائع مرثیہ نگاری پر وارد ہو گئے تھے ان کی تلافی کے لئے شاد اگر یہ عالمانہ روش اختیار نہ کرتے تو اس صنف میں وہ ارتقائی دور نہ آتا جس کو جوش ملیح آبادی، آل رضا، شوکت تھانوی اور ... نے پیش کیا۔

مرثیہ میں حضرت امام حسین، حضرت عباس کی شہادت پر یوں روتے ہیں

بھائی کہا اور بھائی سے پہلے لپٹ کر والا — ہونٹوں کو ملا ہونٹوں سے منھ پیار سے چوما
دو روکے کہا آنکھ تو کھولو میرے شیدا — کچھ باتیں کر دیں ہم سے ہو دل کی تمنا
بھیجے ہو مرے سامنے کیا ہوتا ہے بھائی — تم مرتے ہو شبیر نہیں روتا ہے بھائی

شاد عظیم آبادی کا چوتھا بڑا احسان ہمارے اسلامی معاشرے پر ان کے رسالے "صورت حال" اور ناول "صورۃ الخیال" کے ذریعہ رونما ہوا۔ ان کی ان تصنیفات نے ... میں روشنی کا کام کیا۔ ان کی صلح کل صوفیانہ ذہنیت اور صوفیانہ شاعری نے مسلمانان بہار اور خصوصاً شرفائے عظیم آباد کے دلوں سے فرقہ وارانہ عصبیت کی ... کو دھو دیا۔ جس میں سال سے شیعہ سلاطین صفویہ ... اور ... نقشبندی، شیخ احمد سرہندی کی تنگ ... دینداری کے تیشہ ... سے ... پر ... تصوف اور تشیع کی خلیج اتنی وسیع ہو گئی تھی کہ لکھنؤ کے ... مجتہد ... میر محمد عباس اپنی ایک مثنوی میں یہاں تک کہنے سے نہیں چوکے کہ

دیں کلام صوفیاں خوش بنیت — مثنوی مولوی روم بنیت

اس ادبی ... اور تصوف ... نے دبستان لکھنؤ کے تغزل کو جیسا بے کیف بنا دیا تھا وہ ظاہر ہے۔ فرقہ وارانہ تعصب کی شعلگی اس عہد کا ایسا تاریخی المیہ تھا کہ جس کی تفصیل لکھی جا سکتی ہے۔ شاد عظیم آبادی نے اس ماحول کو خوشگوار بنانے کی انتہائی کوشش انجام دی ہے۔

خدا رحمت کند این پیروان طریقت را — ... از حرم تا دیر صہبائے محبت را

شاد عظیم آبادی کی شاعری صرف روایتی غزل تک محدود نہ تھی۔ بلکہ انہوں نے مثنوی کو بھی اپنے ذوق کا مرکز بنایا۔ شاد عظیم آبادی کی کل اردو مثنویاں ہیں جن میں نام شاد زندگی، ... "میلاد رخ"، "راحتی" اور "چشمہ کوثر" کے نام ملتے ہیں۔ ... شاد کی مثنویوں میں چشمہ کوثر اور ... کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ چشمہ کوثر ایک سماجی اور اخلاقی اصلاح پر لکھی ہوئی مثنوی ہے۔

بنظر آتا ہے انجام اپنا — کچھ تو کر آہ سحر کا اپنا
وقت باقی نہیں شب بھی اخیر — نالۂ اس وقت کا ہے پر تاثیر
اے ستارے ... ملک پر کم ہیں — وہ غنیمت ہیں جو باقی دم ہیں

ان اشعار کی روانی اور خوبی سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ یہ وصف ان کی مثنوی میں ملتا ہے۔ شاد عظیم آبادی کا شمار جدید اردو مثنوی کے معماروں میں ہونا چاہیے۔ شاد نے آزاد و حالی، شبلی کے ساتھ ساتھ جدید اردو مثنوی کی روایت کو آگے بڑھانے اور نئے موضوعات سے روشناس کرانے اور اسے مضبوط و مستحکم بنانے میں نمایاں حصہ لیا ہے۔